مولانا حافظ عبدالرشید ارشد رحمۃ اللہ علیہ

آخری قسط

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(مجلس احرارِ اسلام...... شاہ جی کی زندہ تحریک)

رات کو اے ڈی ایم ساہیول کی صدارت اور حضرت شاہ صاحب کی تقریر تھی۔ اے ڈی ایم کو میں پہلے سے جانتا تھا کہ اچھا مقرر ہے، اس نے شروع میں تقریر کی اور کہا کہ قدرت کے کام ہیں کہ آج مجھے ڈپٹی کمشنر صاحب نے کہا ہے کہ میں احرار کا شکریہ ادا کروں کہ انھوں نے دفاع کانفرنسیں کر کے ملک کو بیدار کیا اور خون کو گرمایا لیکن تقسیم سے قبل میں فاضلکا میں تحصیل دار تھا اور وہاں شاہ صاحب کی تقریر تھی، ڈی سی فیروز پور نے مجھے حکم دیا ہوا تھا کہ تمھارے شہر میں ایسا مقرر آ رہا ہے کہ اس کی تقریر میں ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اگر وہ لوگوں کو کہے کہ دریا میں چلانگیں لگا دو تو وہ اس پر عمل کریں گے اور اگر کہے کہ آگ میں کود جاؤ تو لوگ اس پر عمل کریں گے۔ جب تقریر اس نقطہ پر پہنچے تو تم نے تحریر بھیجنی ہے کہ تقریر ختم کر دو، اگر ختم نہ کریں تو گرفتار کرنا ہے۔ ڈپٹی کمشنر انگریز تھا، میں حیران تھا کہ اس کی معلومات کس قدر ہیں۔ میں جلسہ گاہ میں گیا اور تقریر جب شباب پر پہنچی تو واقعی ایسا وقت آیا کہ میرے ضمیر اور نفس میں کشمکش شروع ہوگئی۔ ضمیر کہتا تھا کہ تقریر جاری رہنی چاہیے کہ ملک اور قوم کے مفاد میں ہے لیکن نفس کہتا تھا کہ اپنے حاکم کا حکم مانو ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ کئی منٹ یہ کشمکش رہی بالآخر نفس غالب آیا کہ تو نے ترقی کر کے نجانے کہاں تک جانا ہے اپنے افسر کی بات مانو۔ میں نے رقعہ بھیجا کہ ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا حکم ہے کہ تقریر بند کر دیں اور جلسہ ختم کر دیں۔ شاہ صاحب نے کہا پندرہ منٹ اور، میں نے کہا کہ نہیں۔ احرار کا فیصلہ تھا کہ حکومت سے ٹکرانے کا ابھی موقع نہیں ہے لہٰذا شاہ صاحب نے تقریر ختم کر دی اور آج ڈپٹی کمشنر کا حکم ہے کہ شکریہ ادا کروں۔ اسی طرح قریباً آدھ گھنٹہ باتیں کر کے اے ڈی ایم بیٹھ گیا اور شاہ صاحب نے تقریر شروع کر دی۔ میرا خیال ہے کہ حضرت شاہ صاحب کی یہ تقریر پاکستان میں سنی جانے والی تقریروں میں میرے لیے سب سے اہم تھی کہ اس میں خطابت کا وہ تمام شکوہ اور انداز موجود تھا کہ جس کی ہر کوئی تعریف کرتا تھا۔ اس تقریر میں زیادہ حصہ مرزائیت، سر ظفر اللہ خان اور لیاقت علی خان کا قتل تھا۔ آپ نے فرمایا کہ عدالت کی کرسی ہو اور فیصلہ میں نے کرنا ہو تو پھر میں تفصیل سے وہ تمام باتیں مدلل لکھ کر ثابت کروں کہ اس قتل میں اصل ہاتھ ظفر اللہ کا ہے۔ اس لیے کہ احرار کی کوششوں سے وزیر اعظم لیاقت علی خاں پر مرزائیوں کے تمام منصوبے اور عزائم منکشف ہو چکے تھے۔ آپ نے تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ یہ مرزائی وزیر خارجہ آج تک افغانستان کیوں نہیں گیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت افغانستان نے دو مرزائی مبلغوں کو عقیدۂ ختم نبوت کے انکار پر شرعی سزا دی تھی۔ ہمارا وزیر خارجہ افغانستان کو اس کی سزا دے رہا ہے اور پاکستان اور افغانستان جو آپس میں بھائی ہیں ان کو اس نے ایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کر دیا ہے اور فرمایا کہ افغانستان کے لوگ پاکستان کے خلاف اس طرح مشتعل ہیں گویا ہماری ان سے کفر و اسلام کی جنگ ہے اور یہاں شاہ صاحب نے سر سے ٹوپی اتاری بالوں کو جھٹکا دیا اور ڈاڑھی کو منہ میں لیا اور کلہاڑی کو کندھے پر رکھا اور فرمایا کہ اس مرزائی کی وجہ سے افغانستان کے لوگ ہمارے خلاف اس طرح مشتعل بیٹھے ہیں اور

یہاں پھر وہی شعر پڑھا جو شام کی مجلس میں پڑھا تھا اس وقت تو عام لہجہ میں تھا مگر اب یہ شعر پورے درد و سوز اور ترنم سے پڑھا۔ مجمع کی یہ حالت تھی کہ اگر سوئی گرے تو اس کی آواز آئے۔ ہر شخص اس المیہ کا درد اپنے جسم میں محسوس کر رہا تھا۔

سردیوں کا آغاز تھا اور اس دن بارش بھی ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود فٹ بال گراؤنڈ لوگوں سے بھری ہوئی تھی حضرت شاہ صاحب کی یہ تقریر تقریباً تین گھنٹہ جاری رہی۔

آپ نے خطبہ مسنونہ کے بعد قرآن پاک کی آیت کریمہ **واعدو الهم مااستطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدو كم و آخرين من دونهم.** پڑھ کر اس کا ترجمہ اور تشریح کی **واعد والهم ما استطعتم من قوة** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان کے مقابلے میں پوری قوت جمع کرو اپنی طاقت کی حد تک۔ جبکہ کسی اور فرض اور رکن کے متعلق یہ نہیں فرمایا کہ پوری قوت خرچ کرو لیکن جہاد کے متعلق یہ فرمایا تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ کے متعلق کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ”اونہاں نوں ریکا دیو“ ”اوہ ریک جان۔“ پھر فرمایا میں آپ کو بتاؤں کہ ”ریکنے“ کا مفہوم کیا ہے اور سوال کیا تم نے کبھی دو سانڈوں کو لڑتے دیکھا ہے؟ فرمایا: دونوں خوب زور آزمائی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو پیچھے ہٹ ہٹ کر ٹکریں مارتے ہیں بالآخر ایک میدان چھوڑ دیتا اور بھاگنا شروع کرتا ہے دوسرا اس کا تعاقب کرتا ہے بھاگنے والے کو ”موک“ (اسہال) لگ جاتی ہے اور وہ ہرا ہرا پتلا گوبر نکالتا مسلم لیگ کا جھنڈا بناتا ہوا سرپٹ بھاگتا ہے اسے کہتے ہیں ”ریکنا“ فرمایا: تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ کا ترجمہ اردو میں یہ ہے کہ اتنی تیاری کرو کہ اللہ کے دشمنوں پر تمہاری دھاک بیٹھ جائے۔ اس دھاک بیٹھنے کو پنجابی میں فرمایا ”ریکا دیو“ اس کے بعد ہے **وَآخَرِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ.** اور دوسروں پر ان کے سوا جن کو تم نہیں جانتے اللہ جانتا ہے۔ فرمایا کہ یہ ہمارے ملک کے ففتھ کالم ہیں اور سب سے بڑے ففتھ کالم مرزائی ہیں جن لوگوں نے اوکاڑہ کی یہ تقریر سنی ہے ان میں سے بہت سے زندہ ہوں گے وہ گواہی دیں گے کہ اس تقریر میں شاہ صاحب کی جوانی کی جھلک نظر آتی تھی۔ افسوس کہ شاہ صاحب کے زمانے میں ٹیپ ریکاڈر نہیں تھے اگر ہوتے تو آج لوگوں کو پتہ چلتا کہ خطابت کس کو کہتے ہیں اور شاہ صاحب کیسے خطیب تھے۔

آخر کوئی بات تو ہے کہ ابوالکلام آزاد، محمد علی جوہر، بہادر یار جنگ، جیسے یگانہ روزگار خطیبوں نے آپ کی خطابت کا اعتراف کیا۔

آج بہت سے لوگ سوال کرتے ہیں کہ بتاؤ شاہ صاحب کی تقریر کیسی تھی ان کو کیا بتایا جائے اور کیا مثال دی جائے میرا احساس ہے کہ دعوت و عزیمت میں ابوالکلام، قومی شاعری میں علامہ اقبال اور عوامی خطابت میں امیر شریعت رحمہ اللہ کی مثال شاید اردو زبان میں کبھی پیدا ہو۔ جیسے شاہ صاحب خطیب تھے اس کے دس پندرہ فیصد کے قریب بھی کسی کو نہیں دیکھا۔

میں نے اپنے استاد حضرت مولانا عبداللہ دھرم کوٹی رحمہ اللہ سے پوچھا کہ شاہ صاحب کی جوانی کیسی تھی؟ آپ نے مختصر سا فقرہ کہا فرمایا: شاہ صاحب کی جوانی قہر تھی۔ (آپ کا فقرہ تھا ”جوانی سی؟ قہر سی!“) پنجابی زبان کے مشہور واعظ حضرت مولانا عبدالعزیز ملسیانوی رحمہ اللہ سے میں نے یہ سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ ابتدا میں قصبات میں بجلی نہیں ہوتی تھی، گیس لیمپ ہوتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب دورانِ تقریر جب سر سے ٹوپی اتار کر سر کو جنبش دیتے تھے تو آپ کے بالوں کی حرکت کے ساتھ لوگوں کے دل حرکت کرتے تھے۔

گذشتہ سطور میں رازی صاحب، آصفی صاحب کی شاہ صاحب سے ملاقات کا ذکر گذرا اس میں ہم میں سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت سنا ہے آپ کی تقریر مسعود کھدر پوش نے ریکارڈ کی تھی، آپ نے فرمایا کہ ہاں میرے علم کے بغیر ایسا ہوا تھا۔ اس کی کچھ تفصیل سنائی، یہ مفصل قصہ مولانا مجاہد الحسینی کی زبانی میں نے سنا تھا۔ مظفر گڑھ میں ایسی ہی کوئی دفاع کانفرنس تھی اور مسعود کھدر پوش بحیثیت ڈی سی صدر تھے۔ مسعود مرحوم کسی غیر ملک سے اس زمانے کی ٹیپ ریکارڈ لائے تھے یہ ٹیپ مشین خاصی بڑی ہوتی تھی اور اس کا مائیک لاؤڈ سپیکر کے ساتھ باندھنا پڑھتا تھا اس کی چرخی بھی (کیسٹ) خاصی بڑی ہوتی تھی۔ شاہ صاحب کے سٹیج پر تشریف لانے سے قبل مائک کے ساتھ ٹیپ ریکارڈر کا مائیک باندھ دیا گیا تھا۔ شاہ صاحب آئے تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ بتایا گیا کہ آپ کی تقریر ریکارڈ کریں گے۔ شاہ صاحب سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ تم میری تقریر کے ریکارڈ تیار کر کے ''دینے قوال'' کی طرح سنا کرو گے۔ (دینا قوال اپنے زمانے کا بہت بڑا قوال تھا اور اس کی نظیر آج تک نہیں ہوئی) اسے اتارو۔ قیل وقال کا کوئی سوال نہ تھا فوراً وہ مائیک اتار لیا گیا اور شاہ صاحب کچھ دیر خاموش سوچتے رہے اور منتظمین نے ٹیپ کا مائیک ایک سپیکر کے ساتھ رکھ دیا اور مشین بھی اٹھا کر وہاں رکھ دی۔ شاہ صاحب کو اس کا علم نہ ہوا آپ نے اپنے مخصوص انداز میں خطبہ مسنونہ پڑھا اور تقریر کی۔ اگلے دن یہ طے ہوا کہ شاہ صاحب کو یہ تقریر سنائی جائے۔ نوابزادہ نصر اللہ خاں صاحب نے کہا کہ شاہ صاحب ذرا سیر کر آئیں کار پر باہر نکلے تو ایک بڑی کوٹھی کے سامنے کار جار کی اور وہاں مسعود مرحوم استقبال کے لیے کھڑے تھے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ تم نے بہت برا کیا میں ساری زندگی کسی افسر کے مکان پر نہیں گیا لیکن مسعود صاحب سے پرانی شناسائی بھی تھی، انھوں نے بڑھ کر سلام کیا۔ شاہ صاحب کار سے اترے اور اندر ڈرائینگ روم میں جا بیٹھے۔ انھوں نے پہلے سے رات والی تقریر کا گھر میں سنانے کا اہتمام کیا ہوا تھا۔ بیٹھے ہی تھے کہ اچانک ایک جانب سے لحن داؤدی میں الحمدللہ کی ایک بلند آواز آئی۔ حضرت شاہ صاحب الحمدللہ پڑھ کر کچھ دیر کے لیے خاموش رہ کر پھر دوسری دفعہ الحمدللہ کے ساتھ نحمدہٗ پڑھنا شروع کرتے تھے۔ کاش صرف ''الحمدللہ'' ہی (ریکارڈ) محفوظ ہو جاتا تو اس سے خطابت اور تلاوت کا اندازہ ہوتا۔ اب جب یہ آواز آئی تو آپ ایک دم اس طرف متوجہ ہوئے معلوم ہونے پر آواز کی جانب جا کر پاؤں پر بیٹھ کر دونوں ہتھلیاں رخساروں پر رکھ لیں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا کہ کلکتہ سے پشاور تک کروڑوں انسانوں نے میری بارہا تقریریں سنی ہیں لیکن میں آج پہلی دفعہ اپنی آواز سن رہا ہوں۔ ظاہر ہے کہ سن کر خوشگوار حیرت ہوئی ہوگی اور کہا کہ میں نے محسوس کیا کچھ تھوڑا بہت بول لیتا ہوں۔

جب شاہ صاحب سے ہماری یہ گفتگو ہو رہی تھی اب مجھے یاد نہیں مولانا سید عطاء المہیمن پاس بیٹھے تھے یا سید عطاء المؤمن، کم عمر تھے وہ بھی پاس بیٹھے تھے۔

ایک دفعہ لاہور میں قطب الارشاد حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ تشریف لائے ہوئے تھے ان دنوں مسعود مرحوم لاہور تھے پھر پروگرام بنا کہ آج شاہ صاحب کی مجلسی گفتگو ریکارڈ کی جائے۔ چنانچہ طے ہوا کہ صبح کا ناشتہ ان کے ساتھ کیا جائے باہر نکلے کار پر بیٹھے لیکن تھوڑی دور جا کر فرمانے لگے کہ طبیعت رک رہی ہے جی نہیں چاہتا کہ اپنے شیخ کے پاس سے اٹھ کر کسی افسر یا دنیا دار کے پاس جایا جائے۔ کار واپس تشریف لے آئے اور وہ تقریر جو مظفر گڑھ میں ریکارڈ ہوئی تھی کسی

خال خال شخص کو اس کا پتہ تھا۔ میں نے ایک دو دفعہ لاہور آنے پر مسعود مرحوم سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ میرے پاس بہت سی ریلیں (ریکارڈنگ سپول) ہیں کسی دن تلاش کروں گا۔ پھر پتہ کیا تو فرمانے لگے کہ وہ گرمی سے جڑ گئی ہیں۔ میں ۱۹۷۸ء میں انگلستان گیا تو وہاں بہت سے دوستوں نے کہا کہ وہ رِیل ان سے لو اب تو ٹیکنالوجی نے بہت ترقی کر لی ہے اسکو کسی صورت درست کر لیں گے اور ۸۳ء میں تو بہت اصرار سے دوستوں نے توجہ دلائی لیکن اسی دوران میں مسعود مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ ع

آں قدح بشکست وساقی نماند

اللہ کو منظور نہیں تھا کہ امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی تقریر عام ہو، اس طرح آج کل کے خطبا کا بھرم رہ گیا ورنہ کوئی کسی کو نہ پوچھتا۔ کس نمے پرسد کہ ’’بھیا کیستی‘‘

میری حضرت شاہ صاحب سے قدرے بے تکلفی تھی، میں نے ایک دن شاہ صاحب سے پوچھا کہ حضرت کبھی آپ نے ایسا بھی محسوس کیا کہ آپ تقریر کرنے میں بے بس ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ ہاں دو دفعہ ایسی صورت حال پیش آئی۔ ایک دفعہ تو ایسا ہوا کہ الہ آباد میں جواہر لال نہرو کے والد موتی لال نہرو کی صدارت میں جلسہ تھا اور سائمن کمیشن آیا ہوا تھا۔ کانگریس نے اس کا بائیکاٹ کیا تھا اور اسی سلسلے کا جلسہ تھا۔ موتی لال کی تقریر پہلے تھی خالص سیاسی مسئلہ تھا سامعین میں ہندو زیادہ تھے موتی لال نے اس قدر مدلل اور مسکت تقریر کی کہ میں سوچ رہا تھا کہ اس کے بعد میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ حیران تھا اور سر جھکائے بیٹھا تھا اور سوچ رہا تھا کہ لوگ کہیں گے مولوی کو دو تین تقریریں یاد تھیں وہ یہاں کر گیا اب کچھ پاس نہیں ہے کہ موتی لال نہرو نے یہ کہہ کر تقریر ختم کی کہ اب میں آپ کے محبوب مقرر کے درمیان زیادہ دیر حائل نہیں رہنا چاہتا۔ اس پر میں نے سر اٹھایا دیکھا تو پنڈال کے آخری سرے پر کچھ رضا کاروں (والنٹیر ز) نے سائمن کمیشن کی ارتھی (جنازہ) اٹھائی ہوئی ہے اور وہاں رکھ کر اسکو آگ لگانا تھی جونہی میری اس پر نظر پڑی مجھے یہ شعر یاد آ گیا۔

ہوئے مر کے تم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

بس میں نے بلند آواز سے یہ شعر پڑھا تو موتی لال نہرو نے اپنے زانوؤں پر دو ہتڑ مارا اور کہا کہ شاہ صاحب آپ نے میری ساری تقریر کا بیڑا غرق کر دیا (یا ستیاناس) کر دیا) بس پھر اللہ دے اور بندہ لے۔ موضوع یکسر پلٹ گیا تھا میں نے تین چار گھنٹہ تقریر کی۔

اور ایک واقعہ آگرہ کا ہے کہ بہت بڑا جلسہ تھا، پنڈال کے درمیان سٹیج تک جانے کا راستہ بنا ہوا تھا، میں وہاں سے گزر کر سٹیج کی جانب جا رہا تھا اور ساتھ ساتھ لوگوں کے چہرے پڑھتا جا رہا تھا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لوگوں کے چہروں سے موضوع کا انتخاب کرتا ہوں اور چہروں کو دیکھ کر بھانپ لیتا ہوں کہ کیا صورت حال ہے۔ ہر سو پچاس آدمیوں میں سے ایک کے پاس اخبار تھا، میں دیکھتا سوچتا آگے بڑھتا رہا اور سٹیج پر پہنچ گیا۔ وہاں میز پر ’’انقلاب‘‘ اخبار کی ایک کاپی پڑی تھی جس میں میرے متعلق ایک بے سر و پا جھوٹی بات لکھی ہوئی تھی کہ اس نے فلاں جگہ یہ تقریر کی (کہ گاندھی کا پیشاب کوثر و زمزم کے پانی سے پوتر ہے نعوذ باللہ) بات ایسی تھی کہ کوئی مسلمان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، میں یہ اخبار پڑھ کر سوچنے لگا کہ میں پہل کروں یا مجمع

پہل کرے کہ اتنے میں پنڈال کے آخر میں سے ایک شخص نے مجھے گالی دے کر کہا کہ اس کی داڑھی پکڑو اور سٹیج سے اتار دو میرے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”شرابی ہے بکواس کرتا ہے“ لوگوں نے اس کا منہ سونگھا تو شراب کی بو آ رہی تھی بس پھر کیا تھا اس کی پٹائی ہوئی اور بخاری زندہ باد کے نعرے لگے اور میں نے گھنٹوں تقریر کی۔ قارئین کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ شاہ صاحب اپنے متعلق اس قسم کی باتیں کرنے یا سنانے کے عادی نہ تھے اور نہ ہی کبھی بعد از تقریر کسی سے پوچھتے کہ سناؤ کیسی تقریر رہی اور نہ ہی کسی کو یہ جرأت ہوتی تھی کہ تقریر کی تعریف کرے جیسا آج کل کا معمول ہو چلا ہے۔ یہ تو میری بے تکلفی یا یوں کہیے کہ اس طرح کی باتوں میں دلچسپی دیکھ کر بات سنا دی۔ میرا خیال ہے کہ یہ دونوں واقعات یا پہلا واقعہ آغا شورش مرحوم کی کتاب میں بھی موجود ہے۔

اسی طرح میں نے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت کوئی بزرگ یا رہنما ایسے بھی تھے کہ جہاں آپ اپنے آپ کو محسوس کرتے ہوں کہ یہاں بات کرنا مشکل ہے، فرمایا وہاں دو جگہیں ایسی تھیں، ایک جگہ تو دو تین دفعہ ہی جانا ہوا دوسری جگہ البتہ بارہا گیا بارہا اکٹھے خطاب کیا، تاہم ایک رعب اور حجاب رہا۔ میں نے عرض کیا یہ کون حضرات تھے، فرمایا ایک حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ والا واقعہ میں نے بالتفصیل اپنے استاد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنا تھا وہ یہ کہ جب علامہ انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا تو احساس ہوا کہ کوئی اور جگہ ہونی چاہیے کہ جہاں جا کر دعا کرائی جائے۔ ان دنوں قادیان میں احرار تبلیغ کانفرنس والی تقریر پر مقدمہ چل رہا تھا اور سنگین نوعیت کی دفعات کے تحت کیس قائم ہوا تھا۔ شاہ صاحب حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جالندھر گئے اور کہا کہ تھانہ بھون جانا ہے، انھوں نے کہا کہ ہمارا یہ قاعدہ ہے کہ جانے سے پہلے اطلاع دیتے ہیں اور ویسے بھی میں چند دنوں پہلے حاضری دے کر آیا ہوں۔ شاہ صاحب نے کہا کہ نہیں میرے ساتھ چلیں چنانچہ دونوں حضرات نے تھانہ بھون جانے کا قصد کیا۔ سہارنپور جا کر شاہ صاحب نے پوچھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کھانے کی کونسی چیز پسند کرتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ سنگترے مرغوب ہیں چنانچہ ایک ٹوکری سنگتروں کی لے لی۔ سہارنپور کے احباب نے رات واپسی پر تقریر کا وعدہ لے لیا اب جب تھانہ بھون جانے والی گاڑی پر بیٹھے تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرا تو دل گھبرا رہا ہے واپس ہو جائیں مولانا نے کہا کہ اتنی دور سے مجھے لائے ہیں اب چلنا چاہیے۔ تھانہ بھون پہنچے تو حضرت گھر جا چکے تھے۔ مولانا، حضرت کو اطلاع دینے گھر گئے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے اور ساتھ اپنے کمرے میں لے گئے شاہ صاحب دوزانو بیٹھ گئے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شاہ صاحب بے تکلفی سے بیٹھیں اس طرح تا دیر بیٹھنا آپ کے لیے مشکل ہوگا کہ کوئی تکلف یا حجاب کی بات نہیں ہے۔ دیکھئے میں ٹوپی پہن کر آیا ہوں پگڑی نہیں اور پھر آتے ہی چارپائی پر لیٹ گیا ہوں تاکہ بے تکلفی کا ماحول پیدا ہو۔ چند منٹ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوئیں اور پھر شاہ صاحب نے کچھ اشعار سنائے اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ کی جماعت کا چندہ کتنا ہے آپ نے کہا کہ ایک روپیہ سالانہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً ۲۵ روپے نکال کر دیے اور کہا اتنی دیر کے لیے تو ممبر سمجھئے اور اس کے بعد زندہ رہا تو پھر سہی اور فرمایا کہ خط و کتابت رکھیے لیکن اس کے لیے اپنا مرموز نام بتایا اور شاہ صاحب کو بھی فرمایا کہ آپ اس نام سے خط لکھا کریں۔ فرمایا اپنا اپنا کام

کرنے کا انداز ہے، ہم دونوں ایک ہی کام کررہے ہیں۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت! حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ سمجھ گئے اور فرمایا کہ ہاں شاہ جی آپ میرے لیے کیا لائے ہیں، شاہ جی نے بتایا تو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آپ تشریف رکھیں میں کسی کو بھیج کر منگواتا ہوں۔ ایک دو دفعہ کے اصرار وانکار کے بعد حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھا آپ ہی لائیں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ بہت بڑے خطیب ہیں میں آپ کی چال سے پہچانوں گا۔ اب شاہ صاحب اپنی چال بھول گئے۔ پاؤں رکھتے کہیں ہیں اور پڑتا کہیں ہے بہرحال ٹوکری لائے اور لاکر کھڑے سوچتے ہیں کہ کہاں رکھوں۔ حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ خاموش ہیں آپ نے پائینتی کی جانب رکھدی تو حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اوہو شاہ صاحب یہ تو سر پر رکھنے کی چیز تھی، حضرت مولانا خیر محمد رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کے بعد کسی ایک موقع پر جب شاہ صاحب کا ذکر چھڑا تو حضرت تھانوی نے فرمایا کہ: ''ان کی باتیں تو عطاءِ الٰہی ہوتی ہیں''۔ یہاں ضمناً ایک بات ذکر کرتا چلوں کہ حضرت شاہ صاحب بزرگوں کا بہت ادب کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جب کسی اللہ والے کے پاس جاؤ تو کچھ نہ کچھ ہدیہ ضرور لے کر جاؤ۔

مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق میں نے تفصیل نہیں پوچھی، آغا شورش نے ''چٹان'' میں لکھا تھا کہ ایک دفعہ شاہ صاحب مولانا آزاد کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو مولانا باہر کھڑے تھے اور کہیں جانے کی تیاری تھی لیکن کار میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی تھی۔ مولانا جب کسی عجلت میں ہوتے تھے تو ان کے کندھے جنبش کیا کرتے تھے۔ علیک سلیک کے بعد فرمایا کہ میرے بھائی اس کم بخت کو اسی وقت خراب ہونا تھا تو شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت میرے کندھے حاضر ہیں، تو مولانا نے فرمایا کہ میرے بھائی ان پر تو پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔

ایک دفعہ کانگریس کی عاملہ کا اجلاس ہو رہا تھا کہ شاہ صاحب مولانا آزاد سے ملنے گئے، اندر چٹ بھیجی تو مولانا باہر تشریف لے آئے، شاہ صاحب صوفے پر بیٹھے تھے اٹھ کھڑے ہوئے، مصافحہ ہوا اور شاہ صاحب قالین پر بیٹھنے لگے تو مولانا نے ہاتھ پکڑا، شاہ صاحب نے ابھی اتنا ہی کہا کہ حضرت (یعنی میں قدموں میں بیٹھوں گا) تو مولانا نے فرمایا کہ ''میرے بھائی! وہ بات تو ہوگئی'' بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔

یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ میرے تایازاد بھائی کا فون آیا جو علیگ ہیں اور کٹر مسلم لیگی، پوچھا کیا کر رہے ہو؟ میں نے بتایا کہ شاہ صاحب پر مضمون لکھ رہا ہوں تو انھوں نے بتایا کہ میں نے آپ کی دو تقریریں سنی ہیں ایک ۱۹۳۷ء کے الیکشن میں گاؤں میں اور یہ غالباً اسی سن کی بات ہے جب میں نے ان کی پہلی تقریر سنی۔ میری پیدائش ۱۹۳۲ء کی ہے اور ایک ''نکودر'' وہ نکودر ہائی سکول میں پڑھتے تھے۔ اس کا میں نے بھی ذکر کیا ہے، انھوں نے کہا کہ آپ کا قرآن مجید پڑھنا ایسا تھا کہ ہندو تک مسحور ہوجاتے تھے اور پھر نکودر میں جو تقریر کی اس میں انگریز کے مظالم کا ذکر کیا تو سارا مجمع ہندو مسلم دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔

مضمون طویل ہوگیا لیکن ایک دو باتیں مزید سنیے مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی رحمتہ اللہ علیہ ناظم جامعہ رشیدیہ کی روایت ہے کہ لاہور میں جمعیۃ علماء ہند کا جلسہ تھا اور احرار رضا کار سرخ وردیاں پہنے جلسہ گاہ میں بطور حفاظت موجود تھے کہ جمعیت کے ایک بزرگ (مولانا مفتی محمد نعیم رحمتہ اللہ علیہ) نے حضرت مدنی سے فرمایا کہ یہ لوگ سرخ قمیصیں پہنے پھر رہے ہیں۔ لوگ

کہیں گے کہ احرار نے جلسہ کروایا۔ جمعیت جلسہ نہیں کر سکتی تھی۔ حضرت ساتھیوں کی رائے کا بہت احترام کرتے تھے فرمایا کہ میں شاہ صاحب کو کہے دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ صاحب سے فرمایا کہ رضا کاروں سے کہ دیں کہ وہ وردی اتار دیں۔ شاہ صاحب جانتے تھے کہ حضرت سے کسی نے کہا ہے ورنہ آپ از خود ایسی بات نہیں فرما سکتے تاہم ادب ملحوظ رکھتے ہوئے دل پر جبر کر کے رضا کاروں سے کہا کہ وردیاں اتار دو۔ اس کے بعد جلسہ شروع ہو گیا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا خطبہ صدارت تھا آپ مائیک پر آئے ہی تھے کہ مسلم لیگی نوجوانوں کا ایک جم غفیر سٹیج کی طرف بڑھنا شروع ہوا۔ اس پر حضرت شاہ صاحب نے فراستاً مفتی صاحب سے کہا کہ جلسہ کا انتظام سنبھالیے اب وہ ٹکر ٹکر دیکھ رہے ہیں اور پریشان ہیں۔ تب حضرت شاہ صاحب اٹھے اور حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ تشریف رکھیں اور خود کھڑے ہو کر گرجدار آواز میں کہا کہ تمام احرار رضا کار اپنے فرائض سرانجام دینے کے لیے تیار ہو جائیں۔ پھر کہا کہ کوئی رضا کار جلسہ کے اردگرد نظر نہ آئے، تیسری بات یہ کہی کہ جو عنصر شرارتی ہے ان کو میں تنبیہ کرتا ہوں کہ جہاں کھڑا ہے وہاں بیٹھ جائے ورنہ میں اپنے رضا کاروں کو بزن کا حکم دوں گا۔ کچھ لوگ آگے بڑھتے رہے اور باقی بیٹھ گئے یا سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹ گئے اب جب کچھ لوگوں کو شاہ صاحب نے کھڑے دیکھا تو احرار رضا کاروں سے کہا کہ اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ بس پھر کیا تھا چار پانچ منٹ میں سب لوگوں کی پٹائی ہو گئی۔ فاضل رشیدی فرماتے تھے کہ شرارتی لوگوں کو بھاگنے کا راستہ نہ ملا اور کئی ایک افراد کو موچی دروازے کے ساتھ گندے نالے میں گر پڑنے پر نکالا گیا۔ جن لوگوں کو نکالا گیا ان میں مشہور سیاسی رہنما مولانا عبدالباری بھی تھے جو ان دنوں نوجوان تھے اور قیادت کرنے والوں میں سے تھے۔ حضرت شاہ صاحب اور رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی وجہ سے احرار رضا کاروں کی ایسی تربیت اور انتظام تھا کہ اس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ ۱۹۴۰ء سے پہلے لاہور میں جناح صاحب کی ایک تقریر ان کی درخواست پر احرار رضا کاروں نے اپنی حفاظت میں کرائی جبکہ سر فضل حسین وغیرہ جلسے میں گڑبڑ کرانا چاہتے تھے۔ اسی تنظیم اور مقبولیت کی وجہ تھی کہ سر فضل حسین نے مسجد شہید گنج (۱۹۳۵ء) کا ملبہ احرار پر گرایا۔

حضرت شاہ صاحب مشکل سے مشکل مسئلہ عام دیہاتیوں اور پڑھے لکھے لوگوں کو اس طرح سمجھا دیتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ایک دفعہ معراج پر تقریر کر رہے تھے کہ لمحہ بھر میں سب کچھ کیسے ہو گیا۔ مختلف توجیہات و تشریحات کرتے رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی روح تھے جب اس روح نے مرکز کی جانب سفر شروع کیا تو ہر چیز اپنی جگہ رک گئی، تھم گئی پھر دیکھا کچھ ان پڑھ دیہاتی لوگ سمجھ نہیں رہے تو فرمایا:

ترے لونگ دا پیا لشکارا تے ہالیاں نے ہل ڈک لئے

(محبوبہ کے لونگ کی چمک پڑی تو ہل چلانے والوں کے ہاتھ ہل چلانے سے رک گئے) اور مسئلہ نظری کی بجائے بدیہی بن گیا اور روز روشن کی طرح عیاں ہو گیا۔ کوئی تو بات تھی کہ آغا شورش مرحوم جیسا خطیب اکثر دوران تقریر رندھی ہوئی آواز میں آپ کا ذکر کرتا تھا۔ آغا مرحوم لاہور موچی دروازہ ہی میں ایک بہت بڑی اہل حدیث کانفرنس جو خاص پس منظر میں منعقد ہوئی تھی تقریر کر رہے تھے کہ شاہ جی یاد آ گئے بے اختیار پنجابی میں کہا کہ عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ،

کتھے یاد آ گیوں اج تری بڑی لوڑسی ۔ ترا ایک کالا کوا موچی دروازے میں کائیں کائیں کر رہا ہے۔

”جنگ“ راولپنڈی میں ایک عالم حافظ ریاض احمد اشرفی مرحوم کام کیا کرتے تھے۔ میں ان کی زندگی میں جب بھی پنڈی جاتا تو ان سے ضرور ملتا۔ بہت بڑے عالم خطیب تھے میرا خیال ہے کہ اگر وہ خطابت کو ہمہ وقت اختیار کرتے تو شاید حضرت شاہ صاحب کی خطابت کا کچھ اندازہ ہوسکتا۔ انھوں نے ایک دفعہ کہا کہ میں ایک دفعہ غلام احمد پرویز کی تقریر سننے گیا۔ پرویز صاحب نے بڑا رورو کر تقریر کی، میں بہت متاثر ہوا اور حضرت شاہ صاحب سے ذکر کیا تو حضرت شاہ صاحب نے فوراً فرمایا:

”جا او حافظا! صرف رون تو متاثر ہو گیا ایں اور پھر لحن داؤدی میں قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی **و جائو اباھم عشاء یبکون.** یوسف کے بھائی (اس کو کنوئیں میں گرا کر) رات کو روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے“

حافظ صاحب کہتے تھے کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ آیت پڑھنا تھا کہ میرا دل آئینے کی طرح صاف ہو گیا اور پرویز کی باتوں کا ذرا بھی اثر نہ رہا۔

پکار وادیٔ خاموش سے خدا کے لیے ترس گئے ہیں تری دل کشا صدا کے لیے

حضرت شاہ صاحب جیسا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کیا کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ فالج ہو چکا ہے، جسم کی توانائی ختم ہو چکی ہے، زبان ساتھ نہیں دیتی پھر بھی راولپنڈی میں (۱۹۵۶ء) مولانا غلام اللہ خاں رحمۃ اللہ علیہ کے جلسہ میں ختم نبوت کے موضوع پر تقریر کی۔ یہ تقریر بوجوہ ضائع ہوگئی یا کر دی گئی البتہ اس کا سات آٹھ منٹ کا حصہ باقی محفوظ رہ گیا ہے اکثر لوگوں کے پاس ہے میں نے برطانیہ لے جا کر اس کو تھوڑا صاف کرایا لیکن پھر بھی ضعف زبان کی وجہ سے بمشکل سمجھ آتی ہے اور وہ جتنی بھی ہے بوڑھے شیر کی ایسی للکار ہے کہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شخصیت جب صحت مند ہوگی۔ تو کیا قیامت ہوگی۔ ختم نبوت کا مسئلہ گو ۱۹۷۴ء میں حل ہو گیا لیکن اس کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے میں امیر شریعت کا سب سے زیادہ کردار ہے۔ آپ نے عوام وخواص میں مرزائیت کو گالی بنا دیا۔ آخری عمر میں آپ کو سوائے ختم نبوت کے کچھ کام نہیں تھا، کچھ یاد نہ تھا۔ حتی کہ آپ نے انتہائی ضعف کی حالت میں چارپائی پر لیٹے لیٹے اس مشن کی خاطر تقریریں کیں اور کون کہتا ہے کہ سید بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے۔ یہ انھی کی لگائی ہوئی آگ تھی کہ جس میں انگریز کا یہ خود کاشتہ پودا خشک ہو کر جل گیا۔ آپ کے دو مشن تھے، ہندوستان کی آزادی اور مرزائیت کا خاتمہ، الحمدللہ ایک آپ کی زندگی میں پورا ہو گیا اور دوسرے کے متعلق فرمایا کہ میں نے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں ٹائم بم رکھ دیا ہے جو اپنے وقت پر پھٹا اور اس نے مرزائیت کے قلعہ میں شگاف کر دیے۔

مجھے بارہا یہ خیال آیا کہ اگر سید بخاری رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظّمہ حاضر ہوتا اور کعبہ کو دیکھتا تو اس کی کیا کیفیت ہوتی اور اس کے بعد مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم روضۃ اطہر پر حاضری ہوتی تو اس سید زادے کی کیفیت دیدنی ہوتی۔ آپ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے قطعہ کو وہاں جا کر پڑھتے اور درود وسلام کا ہدیہ پیش کرتے تو دَر ودیوار وجد میں آجاتے اور شاید یہ سید وہیں اپنی جان اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دیتا لیکن آپ کے پاس پوری زندگی میں کبھی اتنی رقم نہیں آئی کہ آپ پر زکوۃ فرض ہوتی، حج کا

سفر تو دور کی بات ہے۔ یاد آیا، ابھی اگلے روز میں جناب احمد ندیم قاسمی کے ہاں گیا تو وہاں مولانا گرامی رحمۃ اللہ علیہ کا دیوان رکھا تھا۔ میں نے اسے دیکھنا شروع کیا کہ معاً شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں کہی گئی رباعی سامنے آ گئی، دیکھئے کتنی برمحل ہے۔

شیخ اکمل آں بخاری مردِ راہ حضرت سید عطاء اللہ شاہ
بخودِ آں نازشِ فقرم کہ چید میوۂ قُربِ حضور از شاخِ آہ!

میں نے آپ کی آخری زیارت مولانا محمد اکرم کی کوٹھی (ماڈل ٹاؤن لاہور) پر کی اس دن آپ کے استاد حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ کی کراچی میں وفات ہوئی تھی۔ جناب شیخ حسام الدین مرحوم نے آپ کو یہ خبر سنائی، اس کو سن کر آپ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے لیکن آواز نہیں نکلی تھی۔ آپ کا جسم ایسا کسرتی اور اعصاب اتنے مضبوط تھے کہ شاید و باید لیکن حساس بہت تھے اور پھر اپنے جسم و جاں سے اتنا کام لیا کہ اس کو دیکھ کر شیروں کا پتا پانی ہو جائے، ڈاکٹروں کا خیال تھا کہ اگر آپ اپنے جسم سے اتنا کام نہ لیتے تو آپ کے اعصاب اتنے مضبوط تھے کہ سو سال سے زیادہ تک جیتے۔ لیکن بات تو وہی ہے جو آپ سے مولانا آزاد نے کہی۔ شاہ صاحب نے مولانا سے کہا کہ میری عمر بھی آپ کو لگ جائے یا مل جائے تو مولانا نے فرمایا: میرے بھائی! تھوڑی ہو مگر قرینے کی۔“ سو آپ نے اپنی زندگی ایک مشن میں بتا دی۔ ۲۱/اگست ۱۹۶۱ء کو ملتان میں آپ کی وفات ہوئی۔

ایمرسن کالج گراؤنڈ نے ایسا کثیر اجتماع کسی جنازے میں کاہے کو دیکھا ہوگا۔ آپ کے فرزندِ اکبر مولانا سید ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اگر آپ کا جنازہ لاہور ہوتا تو اگلے پچھلے سارے ریکارڈ ٹوٹ جاتے۔ گوجرانوالہ، سیالکوٹ، فیصل آباد شیخوپورہ اور لاہور سے اتنے لوگ اکٹھے ہوتے کہ دنیا دیکھتی۔

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

رات کو ملتان قاسم باغ میں جلسہ ہوا۔ تمام احرار اکابر نے تقاریر کیں اور مولانا مظہر علی اظہر نے رندھی ہوئی آواز میں کہا کہ ”امیر شریعت“ نے اس دنیا سے جاتے ہوئے ہم سب کو ایک دفعہ پھر اکٹھے کر دیا ہے، یہ ان کی بعد از مرگ کرامت ہے“

مجلس احرار اسلام کے قائدین اور عوام سبھی مخلص تھے، دو ایک جو جدا بھی ہوئے تو انھوں نے مجلس یا باقی حضرات کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہی جو دیانت امانت اور اخلاص یا نظریہ پر حملہ ہو۔ جانبین میں برابر احترام رہا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے متعلق علامہ اقبال نے کہا ہے:

وہی ہے بندۂ حر جس کی ضرب ہے کاری نہ وہ کہ حرب ہے جس کی تمام عیاری
ازل سے فطرت احرار میں ہیں دوش بدوش قلندری و قبا پوشی و کلہ داری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے انھیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجود انھیں کا طواف بتاں سے ہے آزاد یہ تیرے مومن و کافر تمام زنّاری

☆......☆......☆